© rasailojaraid.com

بحث و نظر

کچھ عدالتی فیصلے کے بارے میں

سلیم منصور خالد

پاکستان کی عدالت عظمیٰ کے فیصلے پر نہایت وقیع اور جامع ''اشارات'' (مئی ۹۶) پڑھنے کو ملے۔ اس کے مندرجات اور استدلال سے اتفاق رکھنے کے باوجود ایک دو مقامات پر اتفاق کرنا ذرا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر جسٹس منیر مرحوم کی جانب سے پہلی دستور یہ توڑنے کی تائید کی وجہ 'حکومتی دباؤ' کو قرار دینا غالباً قرین قیاس نہیں۔ یہ چیز ان کے سیکولر رجحانات کا فطری اظہار تھا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ پاکستان جہاں قومی ادارے کسمپرسی کے عالم میں ہیں' وہاں judge-made-laws کا کچھ زیادہ دروازہ کھولنے کی تائید دکھائی دیتی ہے۔ یہی نکتہ اختلاف ہے۔ سچی بات ہے کہ ہمارے منتخب قومی نمائندے سیکولر اپروچ یا معروف اصطلاح میں ناپسندیدہ کہلائے جانے کے باوجود دینی شعائر اور دین کے خلاف فیصلے دینے یا قانون سازی کرنے میں جری اور بے خوف نہیں ہیں' جب کہ گوشہ عدل میں بیٹھے ہوئے افراد اپنے آپ کو یکسر آزاد تصور کرتے ہیں۔

منیر انکوائری رپورٹ ہو' حدیث و سنت کی آئینی حیثیت کا مسئلہ ہو' توہین رسالت کا سوال ہو' ختم نبوت کا مسئلہ ہو یا قرار داد مقاصد اور اسلامی شعائر یا اسلام کے عائلی قوانین کی تفہیم کا معاملہ' ان میں چند مثالوں کو چھوڑ کر بڑی ہی دل گرفتہ صورت دکھائی دیتی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم ایک سیکولر اور سوشلسٹ منشور پر بھرپور کامیابی سے ہم کنار ہوئے تھے' مگر اس کے باوجود قادیانی مسئلہ (۱۹۷۴) اور دستور میں اسلامی شقوں کے پہلے سے بھی بہتر کرنے پر آمادہ ہوئے۔ اسی طرح بعد کی اسمبلیاں آٹھویں ترمیم کی اسلامی شقوں کے خلاف تمام تر شور و غوغا آرائی میں گھر جانے کے باوجود یہ جسارت نہ کر سکیں کہ وہ انھیں چھیڑتیں۔ مگر سپریم کورٹ نے جسٹس نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں ''حاکم خاں کیس'' (۱۹۹۲) میں قرار داد مقاصد کی روح کو مسخ اور حیثیت کو مجروح کر کے رکھ دیا۔ آج منظر یہ ہے کہ دستور میں آرٹیکل ۲۔الف کی موجودگی کے باوجود ''قرار داد مقاصد'' دستور کا محض نمائشی اور غیر موثر حصہ بن کر رہ گئی ہے' حالانکہ آٹھویں ترمیم نے اسے دستور کا موثر حصہ بنایا تھا۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے نے عدالتی عمل میں اسلامی قانون کی تمام پیش رفت کو عمل معکوس کا شکار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرایا ہے۔

اسی طرح موجودہ فیصلے میں سپریم کورٹ نے بنیادی سوال کا جواب دینے سے تجاوز کرتے ہوئے بے جا طور پر فیڈرل شریعت کورٹ (FSC) کی روح سلب کر دی ہے۔ یہ وہ کام ہے جو طاقت ور سیکولر لابی پورا زور لگا کر پارلیمنٹ سے نہ کروا سکی تھی۔ شریعت کورٹ کے بارے میں یہ جملہ کہ "یہ عدالت ہی نہیں" بڑا ظلم ہے۔ حالانکہ عدالت' شریعت کورٹس میں ججوں کو بالجبر بھیجنے کی روش پر اسی طرح قدغن تجویز کر سکتی تھی' جس طرح اسمبلی توڑنے کے صدارتی اختیار پر کیا گیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن اصحاب عدل کے ہاتھ میں بغیر کسی گرفت اور جواب دہی کے 'اختیار دینے کی تائید کی جا رہی ہے؟ کیا ان لوگوں کے جو اسلام اور اسلامی قانون کی کتب مستشرقین اور مشنریوں کی مدد سے پڑھنا علمی معراج سمجھتے ہیں' قرآن اور حدیث کے معیاری' غیر معیاری ترجموں کو دیکھ کر اور تشکیک زدہ مصنفوں سے حرارت حاصل کر کے مطلق اجتہاد کا حق چاہتے ہیں' پھر اپنے فیصلوں کے دفاع کے لیے دلیل سے زیادہ توہین عدالت کے قانون بلکہ گرز کا سہارا لیتے ہیں۔

ہرچند کہ اشارات میں یہ بڑا ہمدردانہ اور منصفانہ مشورہ دیا گیا ہے کہ عدلیہ آرٹیکل ۲۔الف والے اپنے فیصلے (حاکم خان کیس) سے رجوع کر کے اپنے عدالتی activism کا وسیع دروازہ کھول سکتی ہے مگر حقیقت میں ہمارے اصحاب عدل کی اکثریت' چاہے وہ کرسی عدل پر بیٹھی ہو' یا مجرموں کو چھڑانے اور مظلوموں کا حق سلب کرانے کے پیشے سے منسلک ہو' وہ آرٹیکل ۲۔الف سے جان چھڑانا چاہتی ہے' کیونکہ اینگلو سیکسن قانون کی وادیاں انھیں زیادہ مرغوب ہیں اور ۲۔الف کا رخ اسلامی عدل و انصاف کی طرف ہے جو مقدمات کا جنگل صاف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی طرح عدالت عظمیٰ نے پوری کی پوری آٹھویں ترمیم کو "مارشل لا کا گناہ" قرار دے کر بڑا ہی غیر معروضی حکم لگایا ہے۔ دوسری جانب مارشل لا کی اسی ترمیم کے تحت ججوں نے اپنی ملازمتوں' مراعات 'بلوچستان ہائی کورٹ کے قیام' سینیٹ میں ماہرین کی نشستوں کے اضافے وغیرہ کو خوش دلی سے قبول بھی کیا ہے۔

غرض یہ ہے کہ جس سوسائٹی میں ہم آج سانس لے رہے ہیں' ان میں سے کسی ایسے ادارے کو' کہ جس پر کوئی گرفت نہ کر سکتا ہو' کوئی سوال نہ اٹھا سکتا ہو' اسے قانون سازی کا وسیع اختیار سونپ دینا رائے عامہ کو یرغمال بنا دینے یا اپنی دریا دلی اور غصے کا شکار کر دینے کے ہم معنی بن جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ ایسا اختیار' عدالتی آمریت "عدالتی شریعت" آخر کار عدالت سے ٹکراؤ اور اس کے جائز احترام کو ملیامیٹ کر دینے پر منتج ہوگا۔ اس لیے سب کو چاہیے کہ وہ اس قابل احترام ادارے کو بچانے کے لیے غصے اور محبت سے بالاتر ہو کر توازن کا راستہ اختیار کریں۔ ہمیں مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ بات نہ بھولنا چاہیے کہ تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں میں ہی ہوئی ہیں۔

© rasailojaraid.com